بیلجیئم میں ریاست اور مذہب

رک ٹورفس (RICK TORFS)

خلاصہ

اس مضمون میں بیلجیئم کے حوالے سے ریاست اور مذہب کے درمیان تعلقات کے پیچیدہ سوال کو موضوع بناتے ہوئے آئینی یا عدالتی متون میں غیر مذہبی نظامِ حکومت یالادینیت کی تعریف کا مطالعہ کیا گیا ہے تاکہ سرکاری طور پر تحریری و تقریری شکل میں جاری کردہ بیانات کی اہم خصوصیات کو عیاں کیا جا سکے۔ اس میں اس امر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ ریاست غیر مذہبی تناظر میں سرکاری وسائل کی فراہمی اور نصاب کے تعین جیسے مسائل کے حوالے سے مذہبی اداروں اور تعلیم جیسی سرگرمیوں کا کس طرح سے بندوبست کرتی ہے۔ مضمون کا اختتام بیلجیئم میں اسلام اور مسلمانوں کی حیثیت و مقام کے تجزیے کے ساتھ کیا گیا ہے۔

بیلجیئم میں چرچ اور ریاست کے تعلقات کا زیادہ تر تعین ۱۸۳۱ء کے آئین کے حوالے سے ہوتا ہے جو کیتھولک عقائد اور آزادانہ نظریات کے پیروکاروں کے درمیان ایک تاریخی سمجھوتہ تھا۔ آئینی حقوق اور آزادیوں کا اطلاق بہت سے مذہبی معاملات پر بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر تعلیم کی آزادی (دفعہ ۲۴) یا آزادیٔ صحافت (دفعہ ۲۵)۔ ۱۸۳۱ء کا یہ آئین ریاست اور مذہب کے باہمی تعلق کی وضاحت تو نہیں کرتا، تاہم اس کے تحت مذہبی آزادی کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ چار دفعات

بالخصوص اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

''چرچ اور ریاست کی علیحدگی'' کی اصطلاح دونوں اداروں کے باہم تعلق کو مختصراً بیان کرنے کے لیے بالعموم استعمال کی جاتی ہے۔ تاہم اس مقصد کے لیے شاید یہ اصطلاح بہترین نہیں ہے۔[۱] اس کے مفہوم کا زیادہ انحصار اس پر ہے کہ ''علیحدگی'' کا کیا مطلب لیا جاتا ہے۔[۲] اگر اصطلاح یہ تاثر دیتی ہے کہ چرچ اور ریاست کو ایک دوسرے کے معاملات سے قطعاً کوئی سروکار نہیں ہے تو پھر یہ ناموزوں ہے۔ علیحدگی کا یہ مفہوم آئین کی دفعہ ۱۸۱ سے مطابقت نہیں رکھتا، جس کی رُو سے مذہبی عہدیداروں کی تنخواہوں اور پنشن کے اخراجات ریاست برداشت کرے گی۔

تاہم ایک اور اصطلاح ہے جو اس معاملے کی بہتر وضاحت کرتی نظر آتی ہے، چرچ اور ریاست کی 'باہمی خودمختاری' ہے جسے بہت سے مصنفین استعمال کرنے لگے ہیں۔[۳] اس اصطلاح میں نہ صرف آزادی پر زور دیا گیا ہے بلکہ اس ''لحاظِ باہمی'' پر بھی جو یقیناً اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔

فرانس کے برعکس، بیلجیئم نے خود کو کبھی بھی ایک غیر مذہبی یا لادین ریاست قرار نہیں دیا۔ اس طرح کے تصورات کو انتہائی نظریاتی نوعیت کے حامل تصورات خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بیلجیئم کی روایتی طرز کی عملیت پسندانہ روح سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مزید برآں بیلجیئم کا ۱۸۳۱ء کا آئین اس کے زمانے کے اہم مذہبی و سیاسی عناصر یعنی آزاد خیال کیتھولک اور فراخ دِل آزاد خیالی کے پیروکاروں کے درمیان ایک سوچا سمجھا معاہدہ تھا۔ اس معاہدے میں توجہ نظریاتی ساخت پر نہیں بلکہ آزاد خیال نظریات اور مذہبی روایات کے درمیان ایک مناسب توازن پر تھی۔

بیلجیئم میں چرچ اور ریاست کی خودمختاری کے ساتھ ہی کثیر الخیال معاشرتی فضا کے نتیجے میں ریاست کو مذہب کے حوالے سے غیر جانبداری پر مبنی موقف اختیار کرنا پڑتا ہے۔[۴] بیلجیئم میں ریاست کے غیر جانبدارانہ کردار کو آئین کا ایک اہم اصول گردانا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ نکتہ بذاتِ خود

آئین میں واضح طور پر مذکور نہیں ہے۔ بیلجیئم کی ریاستی کونسل (ملک کی اعلیٰ ترین انتظامی عدالت اور مشاورتی مجلس) اس اصول کو عدم امتیاز اور مساویانہ سلوک کے اصول کے ساتھ قریبی ربط کا حامل قرار دیتی ہے، خاص طور پر مذہبی حوالے سے۔ غیر جانبداری کا مفہوم یہ ہے کہ ریاست کسی ایک مخصوص مذہب یا عقیدے کی نہ تو پیروکار ہے اور نہ ہی اپنی شناخت کسی ایسے حوالے سے کرواتی ہے۔ اس کا مطلب، علاوہ دیگر چیزوں کے، یہ بھی ہے کہ مذہبی علامات کا سرکاری یا عدالتی عمارتوں میں آویزاں ہونا ناقابل تصور ہے، ماسوائے ان صورتوں کے جہاں یہ تاریخی طرز تعمیر کا حصہ ہوں۔ زیادہ عمومی مفہوم میں غیر جانبداری سے یہ بھی مراد ہے کہ ریاست کو مذہبی اصولوں اور روایات کی تشریح جیسے امور سے بھی خود کو دور رکھنا چاہیے۔

بیلجیئم میں رائج تشریح اور اطلاق کے مطابق غیر جانبداری اس امر کی دلالت نہیں کرتی ہے کہ ریاست کو مذہب کے حوالے سے تہی دامن ہی نظر آنا چاہیے۔ حکومت، بلاشبہ، مختلف فرقوں کے نمائندہ چرچ اور غیر مذہبی تنظیموں کو بھی تعاون اور تحفظ عطا کرتی ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی معاشرے میں اہمیت و مقام ہے۔ ریاست مذہبی و دیگر رسمی و اجتماعی سرگرمیوں کی خودمختاری کو مجروح کیے بغیر ان کے آزادانہ فروغ میں بھی مثبت کردار ادا کرتی ہے۔ اس مفہوم میں اسے ایک طرح کی مثبت غیر جانبداری کہا جا سکتا ہے۔[۵]

بیلجیئم کا آئین بذات خود کسی مخصوص مذہب یا چرچ کا ذکر نہیں کرتا۔ تاہم چونکہ مذہبی پیشواؤں کو حکومت کی طرف سے تنخواہیں ملتی ہیں، اس لیے قانون کے تحت سرکاری طور پر تسلیم شدہ مذاہب جو کہ ریاست کے وسائل سے استفادہ کرتے ہیں اور دوسرے ایسے مذاہب یا عقائد میں امتیاز کیا جاتا ہے جو کسی مالی تعاون کے بغیر مذہبی آزادی سے لطف انداز ہوتے ہیں۔

بہت سے مذاہب کو قانوناً یا حسبِ قانون سرکاری قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ اس طرح کی قبولیت کی اہم بنیاد مذہب کی وہ سماجی قدر ہے جس سے کہ لوگ استفادہ کرتے ہیں۔[۶] اس وقت چھ

فرقے ایسے ہیں جو کہ اس طرح کا مقام رکھتے یعنی تسلیم شدہ ہیں: کیتھولک مذہب، پروٹسٹنٹ نظریہ، یہودی مذہب، انگلش کلیسائی نظریہ (مذہب کی زمانی یا دنیوی ضروریات کی تنظیم کے حوالے سے ۴ مارچ ۱۸۷۰ء کا قانون)، اسلام (۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء کا قانون جس کے تحت ۱۸۷۰ء کے قانون میں ترمیم کی گئی) اور یونانی و روسی قدامت پسند چرچ (جسے ۱۷ اپریل ۱۹۸۵ء کے اس قانون کے تحت قبولیت دی گئی جس کے تحت ۱۸۷۰ء کے قانون کو ایک مرتبہ پھر تبدیل کیا گیا تھا)۔ ۷

۵ جون ۱۹۹۳ء کو آئین میں کی جانے والی ترمیم کے تحت اس امر کو یقینی بنایا گیا کہ چند غیر مذہبی یا لادین انسانیت پسند تنظیموں کو بھی مالی امداد فراہم کی جائے۔ ۸

چھ تسلیم شدہ مذاہب میں سے رومن کیتھولک نظریہ بیلجیئم کی تاریخ اور پیروکاروں کی تعداد کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ عملی لحاظ سے رومن کیتھولک نظریے کی یہ برتری اسے کوئی خصوصی مقام یا استحقاق عطا نہیں کرتی، مگر عملاً یہ بات مکمل طور پر درست بھی نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بیلجیئم کے قانون کے تحت مذاہب کی قانونی حیثیت کی تحریک کا ماخذ درحقیقت رومن کیتھولک چرچ کی ساخت اور فعالیت میں ہی مضمر ہے۔ مثلاً مذاہب کے عہدیداروں کے لیے تنخواہوں کی ادائیگی کے حوالے سے ریاست سے مطالبہ اسی صورت میں کیا جا سکے گا جب متعلقہ مذہبی طبقہ واضح طور پر عہدوں کی اسی ساخت پر مشتمل ہوگا، جیسا کہ علاقائی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ رومن کیتھولک چرچ ان دونوں شرائط پر پورا اترتا ہے، مگر اسلامی عقیدے کے حوالے سے یہ اس قدر واضح نہیں ہے۔ چنانچہ نتیجے کے طور پر اسلامی مذہب کے رہنماؤں کو ریاست کی طرف سے ۲۰۰۷ء کی تنخواہوں کی ادائیگی نہیں ہو سکی۔ حالانکہ اسلام بطور مذہب ۱۹۷۴ء سے تسلیم شدہ ہے۔

ریاست کی طرف سے قبولیت کے حوالے سے معیار ساز حیثیت رکھنے کے علاوہ، رومن کیتھولک چرچ عقیدے کے عوامی اظہار کے حوالے سے بھی دیگر مذاہب کی نسبت زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کردار کا مظاہرہ اس وقت دیکھا جا سکتا ہے جب بیلجیئم کے قومی دن کے موقع پر مسلح

افواج کے دستے کلیسائی نظم ٹی ڈیوم (te Deum) کی دھن پر سلامی پیش کرتے ہیں۔ ۹ اگست ۱۹۹۳ء کو شاہ بودوئین (King Baudouin) کے جنازے کے موقع پر بھی کیتھولک چرچ کا کردار اہم رہا۔ عمومی طور پر شاہی خاندان بھی گہرے کیتھولک عقیدے کی شہرت رکھتا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں پارلیمان نے اسقاط حمل کو جائز قرار دینے کا قانون منظور کر دیا تھا۔ شاہ بودوئین نے، جو آئینی طور پر تمام قانونی دستاویزات پر دستخط کرنے کے پابند تھے، وزیر اعظم سے کوئی راستہ نکالنے کی درخواست کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پارلیمنٹ نے بادشاہ کو، ان کی اپنی رضامندی سے، عارضی طور پر حکومت کرنے کے لیے نااہل قرار دے دیا۔ مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تسلیم شدہ مذاہب میں رومن کیتھولک عقیدہ برابری کے باوجود نمایاں ترین ہے۔

چھ مسلمہ عقائد کی طرح بیلجیئم میں بے شمار غیر تسلیم شدہ عقائد بھی موجود ہیں۔ ان کو ہمیشہ قابلِ رشک قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ نہ صرف یہ کہ انہیں اس طرح کے فوائد حاصل نہیں ہوتے جن کا تسلیم شدہ عقائد پر مبنی تنظیمیں دعویٰ کر سکتی ہیں، بلکہ انہیں بعض اوقات مذہب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، بیلجیئم کے قانون میں لفظ ''مذہب'' کی کوئی قانونی تعریف موجود نہیں ہے۔ چنانچہ، اس امر کا تعین یا فیصلہ کہ آیا کسی گروہ کو 'مذہب' تصور کرنا چاہیے یا نہیں عدالتوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مذہب کی آزادی اور چرچ اور ریاست کے درمیان ان تعلقات کے مدنظر جب کسی جج نے اس امر کا تعین کرنا ہوتا ہے کہ آیا کوئی تحریک مذہبی کہلا سکتی ہے یا نہیں، تو عام طور پر اس جج کو انہی کے موقف پر انحصار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ۱۰

بیلجیئم کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو کہ نام نہاد فرقہ ورانہ تنظیموں کے منفی اثرات کے حوالے سے سخت تشویش رکھتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک پارلیمانی رپورٹ ۲۸ اپریل ۱۹۹۷ء کو ایوان نمائندگان میں پیش کی گئی تھی جس میں اس طرح کی تنظیموں کی فہرست شامل تھی۔ اس رپورٹ کی اشاعت نے ایک طوفان سا برپا کر دیا تو اس کا اجراء کرنیوالے پارلیمانی کمیشن کو سرکاری طور پر یہ بیان

دینا پڑا کہ اس فہرست کے اندر کسی تحریک کا نام شامل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خطرناک تو درکنار، فرقہ وارانہ بھی تھی۔ رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد ۱۹۹۸ء میں ''خطرناک فرقہ وارانہ تنظیموں سے متعلق معلومات و رہنمائی کے لیے مرکز (IACSSO) کا قیام عمل میں لایا گیا (۲ جون ۱۹۹۸ء کا قانون)۔ ذہنی اور جسمانی صحت سے متعلق ایک تنظیم نے بیلجیئم کی آئینی عدالت کے سامنے اس مرکز کی بنیاد بننے والے قانون کو چیلنج کر دیا۔ عدالت نے اس قانون کو منسوخ کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ عام قسم کی ضرر رساں تنظیموں کی نسبت ضرر رساں فرقہ ورانہ تنظیموں کے ساتھ زیادہ سختی سے نمٹا جانا چاہیے۔ گویا یہ ممکن ہے کہ مذہبی تنظیموں کو عام تنظیموں سے کم تحفظ حاصل ہو۔ عدالت نے رائے دیتے ہوئے کہا کہ مرکز فلسفیانہ یا مذہبی اقلیت کو اظہارِ رائے سے نہیں روک سکتا۔ ادارے کا کام صرف یہ ہے کہ وہ عوام کو مخصوص انجمنوں یا تنظیموں کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتا رہے تا کہ لوگوں کو ممکنہ طور پر ضرر رساں یا خطرناک قسم کی آراء اور عقائد کا زیادہ درستگی کے ساتھ تعین کرنے میں آسانی رہے (آئینی عدالت، ۲۱ مارچ ۲۰۰۰ء، نمبر ۲۰۰۰/۳۱)

مختصر یہ کہ تمام پہلوؤں کا اچھی طرح سے احاطہ کر لینے کے بعد مذہب کی تین اقسام یا درجے نمایاں طور پر سامنے آجاتے ہیں:

الف) وہ مذاہب جنہیں حقیقی معنوں میں قانونی قبولیت / درجہ حاصل ہے، یعنی اکثریتی کیتھولک چرچ؛

ب) پانچ دیگر مذاہب جنہیں قانونی طور پر تو تسلیم کیا جاتا ہے، مگر حقیقی معنوں میں وہ چھوٹے مذاہب ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مذہبی انسان پرست۔

ج) غیر تسلیم شدہ تحریکیں، اس سے قطع نظر کہ وہ تصورِ مذہب کے حوالے سے قانون کی طے کردہ شرائط پر پورا اترتی ہیں یا نہیں۔

تعلیم کی آزادی کے حوالے سے بنیادی اصول یا ضابطہ آپ کو بیلجیئم کے قانون کی دفعہ ۲۴ میں

ملے گا۔ اس دفعہ کے مطابق تعلیم مفت ہے اوراس ضمن میں کسی طرح سے بھی رکاوٹ ڈالنا ممنوع ہے۔سماج والدین کوآزادانہ انتخاب کا موقع دیتا ہے اور سماجی سطح پر غیر جانبدارانہ تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ غیر جانبداری کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ والدین اور طالب علموں کے فلسفیانہ،نظریاتی یا مذہبی تصورات کا احترام کیا جائے۔سرکاری انتظام کے تحت کام کرنے والےسکول لازمی تعلیم کی مدت کے اختتام پر کسی ایک تسلیم کردہ مذہب اور غیر مذہبی بنیاد کی حامل اخلاقیات کے درمیان انتخاب کا موقع دیتے ہیں۔

واضح طور پر دواہم نکات سامنے آتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ بیلجیئم میں مفت تعلیم بہت اہمیت رکھتی ہے۔اس وقت پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں زیر تعلیم طلباء کی نصف سے زائد تعداد کیتھولک اسکولوں میں جاتی ہے۔اس کے ساتھ ہی صرف دوتہائی باشندے کیتھولک چرچ میں بپتسمہ کی رسم سے گزرتے ہیں اور تقریباً ۸ تا ۱۵فی صداتوار کی اجتماعی عبادت میں شریک ہوتے ہیں۔[۱۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے کیتھولک اسکول دراصل انتہائی لادینی نظریات کے حامل ہیں۔تعلیم کے شعبے میں معاشرے کےعمومی رجحانات کی بھی نمایاں عکاسی ہوتی ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ کہ ان کے لیے جوسرکاری سطح کی تعلیم کا انتخاب کرتے ہیں،ضروری ہوتا ہے کہ وہ مذاہب کی بے شمار شکلوں میں سے کسی ایک پر مبنی تعلیم اور عقیدے سے ہٹ کر سماجی اخلاقیات کے درمیان کسی ایک کا انتخاب کریں۔تاہم بڑھتے ہوئے رجحان کے تحت اس حوالے سے زیادہ تر استثنا کی درخواست کردی جاتی ہے جو کہ اسکول کے منتظمین منظور کر سکتے ہیں۔

عمومی تعلیم کے برعکس، مذہبی پیشواؤں کی پیشہ ورانہ تربیت کے اخراجات سرکاری طور پر برداشت نہیں کیے جاتے۔کیتھولک پادریوں کو ہمیشہ ان اداروں میں تعلیم دی جاتی رہی ہے جن کے اخراجات بشپ حضرات برداشت کرتے ہیں۔اس وقت امام حضرات کی تربیت کے لیے بھی سرکاری وسائل کی فراہمی کے امکان پر تبادلۂ خیال جاری ہے،اور یہ محض انسان دوستی نہیں بلکہ حکام کو امید ہے

کہ اس طرح جمہوریت کے حوالے سے ائمہ کے نظریات پر اثر انداز ہونے کا موقع ملے گا۔ نیز خود بیلجیئم ہی میں اماموں کی اکثریت کی تربیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ممالک میں تربیت پانے والے اماموں کی تعداد نسبتاً کم تر ہو جو قانون کی حکمرانی کے تحت کسی جمہوری معاشرے میں مذہب کے مقام کے حوالے سے زیادہ تجربہ نہیں رکھتے۔

چرچ کے معاملات کے حوالے سے بنیادی اصول بیلجیئم کے آئین کی دفعہ ۲۱ میں ہے۔ یہ دفعہ مذہبی تنظیموں کی خود اختیاری کے لیے ایک مضبوط قانونی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ اس دفعہ کے تحت داخلی سطح پر تنظیم کی مکمل آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ ریاست کو مختلف فرقوں کے چرچ یا دیگر مذہبی تنظیموں کی داخلی ساخت میں کسی طرح کی مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہب کے حوالے سے کسی طرح کی سرکاری پالیسی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ مذہبی تنظیموں اور ان کے لیے مالی تعاون کی بھی منظوری کا سارا مسئلہ یا معاملہ وفاقی وزارت انصاف کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ بیلجیئم میں 2001ء سے اختیارات کے علاقائی سطح پر منتقل کرنے کے لیے جاری عمل مذہبی پالیسی کو بھی متاثر کر رہا ہے۔[۱۲]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سرکار کے پاس مذہبی تنظیموں کے حوالے سے کوئی اختیار نہیں ہے۔ تاہم جب حکومت ان تنظیموں کو تسلیم کر لیتی ہے اور یہ سرکاری امداد کی مستحق ہو جاتی ہیں تو اس وقت ہی انتظامیہ اس مالی سہولت کی فراہمی کے لیے کچھ خاص صورت بنانے کے قابل ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی وہ سرکاری ملازم جو مذہبی امور کو وفاقی اور علاقائی دونوں حکومتوں کی سطح پر نمٹانے میں بہت کم اختیار کے حامل ہوتے اور محض تکنیکی قسم کی اہلیت رکھتے ہیں۔

آئین کی دفعہ ۱۸۱ واضح ہے کہ مذہبی پیشواؤں / منتظمین کی تنخواہوں اور پنشن کے اخراجات ریاست برداشت کرے گی۔ اس کے تحت یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس مقصد کے لیے درکار وسائل ریاست کے سالانہ بجٹ میں شامل کر دیے جائیں گے۔

موجودہ نظام میں تسلیم شدہ مذاہب اور ان کے عملے کے لیے دیگر فوائد بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر، اس بستی / قصبے کو جس میں گرجا واقع ہوتا ہے، پادری کے لیے رہائش کا بندوبست کرنا ہوتا ہے یا پھر اس کے لیے تعاون کرنا ہوتا ہے۔[۱۳] مقامی قصبے کی اور بھی بہت سی مالی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ یادگار عمارتوں کی بحالی کے لیے ریاست وسائل فراہم کرتی ہے۔ اگرچہ ایسی عمارتوں کی مذہبی اہمیت کا سوال غیر متعلق ہوتا ہے، تاہم ملک کی عیسائی تاریخ کے تناظر میں عملی طور پر بیلجیئم کی بہت سے یادگار عمارتیں مذہبی پس منظر کی حامل ہیں۔ موجودہ نظام کے تحت محصولات میں بھی رعایتیں دی جاتی ہیں۔ جن میں عبادت کے لیے مخصوص عمارتوں کی ملکیت سے حاصل ہونیوالی آمدنی کا محصول سے مستثنیٰ ہونا بھی شامل ہے۔

سیاست اور مذہب کے درمیان تعلق ہمیشہ غیر رسمی رہنے کے باوجود اہم رہا ہے۔ کیتھولک یا کرسچن ڈیموکریٹک پارٹی بیلجیئم کی سیاست میں کئی برسوں تک اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ مختلف مخلوط حکومتوں میں مسلسل برسر اقتدار رہی ہے، ماسوائے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۸ء کے عرصہ کے۔ ساٹھ کے عشرے کے اواخر میں کرسچن ڈیموکریٹک پارٹی دو حصوں میں منقسم ہو گئی تھی ایک ڈچ (ولندیزی) بولنے والی پارٹی (CVP) اور دوسری فرانسیسی بولنے والی پارٹی (PSC)۔ ۱۹۹۹ء تک کرسچن ڈیموکریٹک پارٹی کے دونوں دھڑے حکومت میں رہے مگر ۱۹۹۹ء میں انتخابی میدان میں شکست کھا گئے اور چالیس برس سے زائد عرصہ برسر اقتدار رہنے کے بعد، پہلی مرتبہ حزب مخالف کا کردار نبھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس وقت (۲۰۱۵ء میں) انہیں ایک مرتبہ پھر وفاقی حکومت اور اس کے ساتھ ہی (بہت سی) علاقائی حکومتوں میں بھی نمائندگی حاصل ہو چکی ہے۔

اس دوران میں کیتھولک چرچ اور کرسچن ڈیموکریٹس کے درمیان ربط بتدریج کمزور پڑنا شروع ہو گیا۔ چرچ رہنماؤں کا اثر و رسوخ کم ہوتا گیا اور ان دنوں محدود تر ہو کر رہ گیا اور بہت سی صورتوں میں تو ختم ہو چکا ہے۔ بیلجیئم میں اسقاطِ حمل کا قانون جو وہاں کی پارلیمنٹ نے ۱۹۹۳ء میں منظور کیا تھا،

کرسچن ڈیموکریٹس کی حمایت سے محروم تھا بلکہ انہوں نے اس معاملے کو پارلیمنٹ کے آزادانہ فیصلے پر چھوڑ دیا تھا جبکہ وہ خود بھی حکومت میں تھے۔[۱۴] تاہم جب ۲۰۰۲ء میں آرام دہ موت (euthanasia) کا انتہائی آزاد خیال قانون رائے شماری کے لیے پیش کیا گیا تھا تو اس وقت کرسچن ڈیموکریٹس حزبِ مخالف تھی مگران کی مخالفت یا مزاحمت کا محور محض تکنیکی نکات تھے اور یہ کچھ اتنی سخت مزاحمت بھی نہیں تھی۔[۱۵] آخر کار ۲۰۰۳ء میں ہم جنس پرستوں کے درمیان شادی کی اجازت بھی دے دی گئی جس کی کرسچن ڈیموکریٹس کی طرف سے اصولی مخالفت بھی نہ کی گئی۔[۱۶]

حتمی صورتحال یہ ہے کہ وفاقی یا علاقائی سطح کی پارلیمان میں اب چرچ یا مذہب کی نمائندگی کرنے والی تنظیموں کے لیے کوئی مخصوص نشستیں دستیاب نہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مذہبی عقائد کی نمائندگی کرنے والوں کو پارلیمانی انتخابات میں شرکت کی مکمل آزادی ہے۔ اس وقت ایک امام اور ایک کیتھولک پادری پارلیمان کے رکن ہیں۔

بیلجیئم میں مذہبی تعلیم کو واضح طور پر اہمیت دی جاتی ہے۔ تاہم مذہبی امور کے منتظمین کے زیرِاہتمام فراہم کردہ مذہبی تعلیم پہلے سے بڑھ کر دوسرے مذاہب کی (اور غیر مذہبی) روایات کو اپنا رہی ہے۔

بظاہر دو متضاد طرزِ عمل بنتے نظر آتے ہیں۔ اول یہ کہ مذہبی تعلیم کے عقیدے پر مبنی جزو پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے مذہبی تعلیم کی وضاحت ایک مشاہدہ کرنے والے کے طور پر کی جا سکتی ہے۔ مذہبی معلم اب ادراک میں آنے والی معلومات دیتا ہے اور نہ ہی شاگردوں کے لیے کسی طرح کے سوال جواب کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ محض اپنے عقیدے کا گواہ نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بطور کیتھولک اپنی نفی کرتے ہوئے اپنی ذاتی زندگی کو اس طرح طلبہ کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ بھی اس جیسے کیتھولک بننا ہی پسند کریں۔ اس حکمت عملی کا آغاز اس درست مفروضے سے ہوتا ہے کہ کیتھولک مذہب کی کلاس میں موجود تمام طلباء مذہبی پس منظر کے حامل نہیں ہوتے۔ تاہم تدریس

کا یہ طریقہ تین وجوہ کی بنا پر ناقص ہوسکتا ہے۔

پہلی وجہ کا تعلق مذہب کے اور اسکول کی طرف سے پیش کردہ دیگر نصابی نظریات کے درمیان موجود خلا سے ہے۔ مذہبی تعلیم کی احساس کے دائرے میں نہ آنے والی خاصیت زیر تدریس موضوع اور اس کے اساتذہ کو اسکول کی عام زندگی اور سرگرمیوں سے الگ تھلگ کر کے رکھ دیتی ہے۔

دوسری وجہ کا تعلق مذہبی استاد کی ذاتی حیثیت سے ہے، جسے ماضی میں اکثر ایک قابل اور با اعتماد معلم کا مقام عطا کر دیا جاتا تھا۔ کسی بھی دوسرے فرد کی طرح مذہبی استاد کی زندگی بھی اتنی ہی تکلیف دہ اور مشکلات سے بھرپور ہوسکتی ہے جتنی کسی دوسرے فرد کی، چاہے وہ کیسا ہی ماہرِ دینیات ہو۔ یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ استاد اپنے عقیدے کو ترک کر دے یا اس سے محروم ہو جائے۔

مذہبی تعلیم کے حوالے سے دوسری حکمت عملی کو براہِ راست مشاہدے کی حکمت عملی کے برعکس کہا جاسکتا ہے۔ اس میں مذہبی تعلیم کی ادراک پر مبنی خاصیت کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ مذہب اسکول میں پڑھائے جانے والے دیگر مضامین کی طرح ایک عام مضمون کی حیثیت رکھتا ہے اور نصاب سخت اور ٹھوس قسم کے امتحان پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب کا مضمون اسکول میں پڑھائے جانے والے دیگر مضامین کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے روایتی فیصلہ کن کردار سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے باوجود اس دوسرے نمونے کے اندر بہت سے مثبت پہلو بھی آجاتے ہیں۔

اولین مثبت پہلو یہ ہے کہ اس حکمت عملی کے تحت مغربی معاشرے کے اندر مذہب کے اہم ثقافتی کردار کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس نمونے یا ماڈل کے تحت مذہبی ادارے اپنے اس ثقافتی کردار پر توجہ مرکوز کر سکتے ہیں جو بجائے خود مذہبی پیغام میں ممکنہ دلچسپی کی طرف ایک قدم کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس طرح کی معقولیت پر مبنی حکمت عملی، مذہبی مضمون کے ساتھ ہی اس کی

تدریس کرنے والوں کی بھی سماجی قدر و منزلت میں اضافہ کرتی ہے۔نوجوانوں کے لیے کسی گروہ سے وابستگی یا اس کا احساس بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

حکومت سے تسلیم کردہ نجی اسکولوں کو مالی وسائل کی فراہمی کا طریقہ کار سرکاری اسکولوں کو وسائل کی فراہمی سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔اساتذہ کو حکام کی طرف سے پوری تنخواہ دی جاتی ہے۔ صرف متعلقہ آلات و سہولیات کے لیے دی جانیوالی امداد کے حوالے سے تھوڑا سا فرق موجود رہتا ہے۔تاہم تسلیم کردہ یونیورسٹیوں کی سطح پر نجی اور سرکاری اداروں میں مالیات کی فرہمی کے حوالے سے کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

بیلجیئم کوئی ایسا آئینی یا قانونی متن موجود نہیں ہے جو اقلیت کے تصور کی وضاحت کرتا ہو۔ جہاں تک ''فرقوں'' کے معاملات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تمام تسلیم شدہ مذہبی تنظیموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرکاری مالی سہولتوں سے استفادہ کریں۔حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مذہبی تنظیموں کو تسلیم کرنے کے حوالے سے کوئی قانونی معیار موجود نہیں ہے۔تاہم چند ایک رہنما پالیسی اصول ایسے ہیں جنہیں انتظامیہ بروئے کار لاتی ہے۔

بیلجیئم میں اسلام ۱۹۷۴ء سے تسلیم شدہ ہے۔تاہم اس کے اثرات سامنے آنے میں کچھ وقت ضرور لگا۔مثال کے طور پر اسلام کے مذہبی پیشواؤں کو ۲۰۰۷ء تک ریاست کی جانب سے تنخواہ نہیں ملتا تھا۔اسی طرح مساجد کو عملاً تسلیم کرنے میں بھی اچھا خاصہ وقت لگ جاتا۔

اس تاخیر کی وجہ کیا تھی؟ ۱۹۷۴ء سے حکومت مسلم طبقے میں قابلِ اعتبار نمائندے کی تلاش میں رہی۔اس کی اہمیت یہ تھی کہ اس نمائندے ہی کو ایسے امام کی نشاندہی کرنا تھی جو سرکاری معاوضے کے حق دار ہو سکتے تھے۔اب تک مسلم کونسل کے صرف دو انتخابات ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں ایک ایگزیکٹو کمیٹی سرکاری نمائندہ کے طور پر تشکیل پائی۔یہ انتخابات ۱۹۹۹ء اور ۲۰۰۵ء میں ہوئے۔اس کے باوجود اندرونی اختلافات اکثر و بیشتر وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔۲۰۰۵ء میں ہونے والے

آخری انتخابات پر مراکش نژاد رائے دہندگان کی طرف سے کیے گئے جزوی بائیکاٹ کے اثرات نمایاں تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ترکی سے تعلق رکھنے والی اقلیت کو مسلم کونسل میں اور اس کے ساتھ ہی انتظامی کمیٹی میں کچھ اکثریت حاصل ہے۔

نظری طور پر تمام مذہبی تنظیموں کو مساوی امکانات کی حامل مذہبی آزادی حاصل ہے۔اس کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس عمومی دائرہ عمل پر جس کے اندر اس آزادی کو بروئے کار لایا جاتا ہے عیسائی نظریات پر مبنی اقدار اور روایات کی چھاپ نمایاں ہے۔خاص طور پر مذہبی آزادی کو محدود کرنے والے 'سماجی نظم' کے تصور کا اکثر و بیشتر حوالہ ان مواقع پر دیا جاتا ہے جب مسلمان اپنی مذہبی آزادی کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں بہ نسبت ان مواقع کے جب عیسائی ایسا کرتے ہیں۔اس حوالے سے بنیادی معاملات میں ذبیحہ، کفن دفن کی سرگرمیاں، کثرت ازدواج اور مساجد کی تعمیر سے متعلق شہری روایات (urbanism) آجاتے ہیں۔اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ذبیحہ کا عمل حفظانِ صحت اور جانوروں کے تحفظ سے متصادم ہے۔اسی طرح مسلمانوں کے ہاں تدفین کا عمل بعض اوقات قبرستانوں کے ضوابط سے عدم مطابقت رکھتا ہے۔کثرت ازدواج عورت اور مرد کے درمیان عدم امتیاز کے اصول کی خلاف ورزی ہے، اگرچہ یہ رواج تمام مسلمان ممالک میں عام نہیں ہے۔آخری بات یہ کہ فنِ تعمیر کی واضح امتیازی خصوصیات کی حامل مسجد کی تعمیر شہری روایات اور طرز زندگی کے حوالے سے سخت ضوابط کے تناظر میں پیچیدگیوں کی حامل ہوسکتی ہے۔

بیلجیئم میں مذہبی نظریات کی پیروی کے حوالے سے مکمل طور پر درست صورتِ حال کا حصول مشکل ہے۔مردم شماری ہوتی نہیں اور جب ہوئی تھی تو مذہب کے حوالے سے سوالات کو مذہبی آزادی اور نجی معاملات میں عدم مداخلت کے تصور کے منافی قرار دیا گیا تھا۔اسی لیے قابل بھروسہ اعداد و شمار کا حصول بہت مشکل ہونے کے ساتھ ہی مذہبی تنظیموں کے تخمینہ سے واضح طور پر اختلاف رکھنے کے علاوہ اکثر مشکوک اور باہم متضاد ہوتے ہیں۔

ان حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے بعض تخمینے موجود ہیں۔اس وقت تقریباً ۵۰ سے ۶۰ فیصد آبادی رومن کیتھولک چرچ کی پیروکار ہے۔ پروٹسٹنٹ کی تعداد ایک تخمینے کے مطابق اسی ہزار سے ایک لاکھ دس ہزار کے درمیان ہے یعنی بیلجیئم کی کل آبادی کے ایک فیصد سے بھی کم ہے، جو ایک کروڑ دس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ مسلمان، جو بیلجیئم میں ۱۹۶۰ء کے عشرے سے وجود رکھتے ہیں، آبادی کا تقریباً ۳ء۵ سے ۸ فیصد حصہ ہیں۔ باقی تمام مذہبی تنظیموں کا حجم بہت کم ہے۔تقریباً اکیس ہزار Anglicans ہیں، جبکہ یہودی اور روایتی چرچ کے پیروکاروں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق تیس ہزار سے پچاس ہزار کے درمیان ہے۔

کسی بھی عقیدے پر یقین نہ رکھنے والوں کی تعداد کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ عقیدے پر یقین نہ رکھنے والوں کی تحریکوں کے نمائندوں کے مطابق ان کی تعداد پندرہ لاکھ کے لگ بھگ ہے[۱۷] تاہم حکومت کے اندازوں کے مطابق ان کی تعداد ساڑھے تین لاکھ ہے جن میں سے ایک لاکھ دس ہزار افراد خود کو منظّم طور پر سیکولر انسان دوست نظریئے سے وابستہ تصور کرتے ہیں۔[۱۸] اس فرق کی وضاحت اس حقیقت سے ہوسکتی ہے کہ اگرچہ بہت سے لوگ ملحدانہ (Agnostic) نظریے کے پیروکار یا اس پر یقین رکھنے والے نہیں ہیں، تاہم وہ عقیدہ نہ رکھنے والوں کی کسی رسمی یا باضابطہ ساخت کا حصہ نہیں بننا چاہتے۔

عملی لحاظ سے بیلجیئم کے اندر سیکولر نظریات بہت وسیع سطح پر پائے جاتے ہیں، جو کہ مختلف ماہرین کے مطابق ہالینڈ اور جرمنی سے بھی زیادہ وسعت اختیار کر چکے ہیں۔ تاہم اس ساری صورتحال کے باوجود مذہب سماجی زندگی کا ایک انتہائی اہم جزو ہے۔ اسلام کی نمایاں طور پر موجودگی اور حالیہ معاشرے کے اندر بلجیئم کے نئے باشندوں کے انضمام کے سبب مذہب سیاسی حوالے سے ایک بڑھتی ہوئی اہمیت کا حامل موضوع بنتا جا رہا ہے۔

قانونی طور پر ۱۸ برس کے عمر کے بچے کو بالغ تسلیم کیا جاتا ہے۔ تاہم اسکولوں میں مذہبی تعلیم

کے انتخاب کے حوالے سے وہ ۱۶ برس کی عمر سے ہی اپنی رائے کا اظہار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مذہبی تنظیم کی طرف سے کلاس یا کمرہ جماعت سے باہر ترتیب دیے جانے والے نصاب کے حوالے سے والدین اپنے اختیار کو کسی حد تک استعمال کرتے رہتے ہیں جب تک کہ بچہ ۱۸ برس کا نہیں ہو جاتا۔ اختلاف کی صورت میں جج کو فیصلے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ تاہم ۱۸ برس کی عمر کے بعد ایک فرد اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔

ماحصل

یہ واضح ہے کہ مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق ایک قومی معاملہ ہی رہے گا۔ اسی دوران میں مذاہب کے ساتھ مکالمے کے حوالے سے یورپین پالیسی بھی تشکیل پا جائے گی۔ نیز کونسل آف یورپ کی سطح پر انسانی حقوق کے حوالے سے یورپی کنونشن ایک اہم عنصر رہے گا۔ اگرچہ ابھی بہت کچھ طے ہونا باقی ہے، تاہم یورپی یونین کو ان معاملات کا اختیار ہے جن کا تعلق (بعض اوقات نتیجہ خیز طور پر) عدم امتیاز کے اصولوں سمیت مذہب سے ہوتا ہے۔

فی زمانہ مباحثے کے اہم موضوعات یہ ہیں: کیا مذہبی تنظیموں کو اپنی داخلی سطحوں کے اندر انسانی حقوق کا احترام کرنا چاہیے؟ کیا مذہبی تنظیموں کو مالی امداد فراہم کی جانی چاہیے؟ اگر کرنی چاہیے تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ حکومت بین المذاہب مکالمے کو کس طرح فروغ دے سکتی ہے؟ نئی مذہبی تحریکوں کے حوالے سے کس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ ایک نیا مسئلہ یقینی طور بنیاد پرستی کے خلاف جدوجہد کا بھی ہے۔

ترجمہ: اعزاز باقر

...........حواشی...........

1. Cf. on this topic H. Wagnon, "Le Congres national beige a-t-il etabli la separation de l'Eglise et de l'Etat?", *Etudes d'histoire du droit canonique dediees a Gabriel Le Bras,* Paris: Sirey, No. I (1965), p. 753-781.

2. The notion separation was used by eminent older authors, e.g. A. Giron, *Le droit public de la Belgique,* Brussels: A. Manceaux, (1884), p. 342.

3. Cf. P. Errera, *Traite de droit public beige,* Parts, Giard et Briere, (1918), p. 87, "independence mutuelle"; F. Laurent, *L'Eglise et l'Etat en Belgique,* Brussels/Leipzig: Lacroix Verbroeckhoven, (1862), p. 351. Additionally, others refer to this as 'positive neutrality' or 'active pluralism.'

4. Comp. Ph. Braud, *La notion de liberte publique en droit franqais,* Paris, L.G.D.J., (1968), p. 383.

5. J. De Groof, "De bescherming van de ideologische en filosofische strekkingen. Een inleiding." in A. Alen and L.P. Suetens (ed.), *Zeven knelpunten na zeven jaar staatshervorming,* Brussels: Story-Scientia, (1988), p. 312. H. Wagnon uses the notion *protected liberty, liberte protegee.* Cf. H. Wagnon, "La condition juridique de l'Eglise catholique en Belgique," *Annales de droit et de sciences poiitiques,* (1964), p. 70.

6. For the concrete criteria with regard to State recognition of religious organizations, see*Questions and Answers,* Chamber, 1999-2000, 4th September 2000,5120, (Question nr. 44, Borginon); *Questions and Answers,* Chamber, 1996-1997, 4th July 1997, 12970 (Question nr. 631, Borginon). The religious group should be: (a) considerably large; (b) well structured and organized; (c) established in the country for a sufficiently long period of time; (d) represent a certain social interest and importance; (e) and not constitute a threat to social or public order. Strikingly, these (policy) criteria have no basis in formal legislation or in the Constitution. See, more extensively, infra question 18.

7. This law is not the only source. The recognition of Catholicism is a direct result of the Concordat of 1801, confirmed by the law of 18th Germinal X (8th April 1802). Protestantism also obtained recognition as a result of the law of 18th Germinal X, whereas Judaism found its recognition through the decrees of 17th March 1808. Finally, Anglicanism obtained recognition through the decrees of 18th and 24th April 1835. All this was confirmed by the law of 4th March 1870.

8. For an overview of all the financial consequences, see P. De Pooter, *De rechtspositie van erkende erediensten en levensbeschouwingen in Staaten maatschappij,* Brussels: Larcier, (2003), p. 207-214.

9. According to Cass, 18th June 1923, Pasicrisie, (1923), No. I, p. 375 this was not contrary to article 15 of the Constitution and the negative religious

freedom expressed by this article. However, recently, the *Te Deum* lost ground. Although it remains present in its old form on the 21st of July (National Day), it is no longer officially programmed on 15th November (the Feast of the King):

10. See G. Van Haegendoren, "Sekte of kerk: de niet-erkende erediensten in Belgie," *Tijdschrift voor Bestuurswetenschappen en Publiek Recht*, (1986), p. 390.

11. Cf. M. Hooghe, E. Quintelier and T. Reeskens, "Kerkprkatijk in Vlaanderen. Trends en extrapolaties: 1967-2004," *Ethische Perspectieven,* (2006), p. 113-123.

12. R. Torfs, "Il federalismo e il diritto delle religioni in Belgio," in G. Cimbalo and J. I. Alonso Perez (ed.), *Federalismo, regionalismo e principio di sussidiarieta orizzontale. Le azioni, le strutture, le regole della collaborazione con enti confessionali,* Torino: G. Giappichelli Editore, (2005), p. 45-59.

13. Imperial decree of 30th December 1809, article 92, 2.

14. Law of 3rd April 1990, *Moniteur Belge,* 4th April 1990.

15. Law of 28th May 2002, *Moniteur Belge,* 22nd June 2002.

16. Law of 13th February 2003, *Moniteur Belge,* 28th February 2003.

17. Cf. *Questions and Answers,* Chamber of Representatives, 2000-2001, 13th August 2001, 1003 (Question nr. 373 Van Den Eynde).

18. See: www.state.gov/g/drl/rls/inf/2001.